23

انسان سیکھنے کی نیت رکھے تو زمین کی اینٹیں اور پہاڑوں کے درخت اور جنگلوں کی جھاڑیاں بھی اس کے لیے قرآن اور حدیث کی تفسیر بن جاتی ہیں

(فرمودہ 27/اگست 1954ء بمقام ناصر آباد سندھ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''یہ جمعہ ہمارے اِس سفر کا آخری جمعہ ہوگا کیونکہ پیر کو ہم اِنْشَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ اس کے ساتھ ہی مجھے آج دل کے ضُعف کا دَورہ ہو گیا ہے جس کی وجہ سے میں زیادہ بول نہیں سکتا۔

حقیقتاً اگر کوئی سمجھنے والا ہو تو اس کی ہدایت کے لیے ایک معمولی بات بھی کافی ہوسکتی ہے۔ لیکن عموماً آجکل دیکھا گیا ہے کہ لوگ باتیں سننے کے تو عادی ہیں لیکن بات کو سوچنے اور سمجھنے کے عادی نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ گزشتہ بزرگوں میں سے کسی بزرگ سے ایک شخص نے قرآن کے متعلق کچھ پوچھا تو انہوں نے کہا

میاں! قرآن کی تفسیر لکھنے بیٹھو تو قیامت تک ختم نہیں ہو سکتی۔ لیکن جو اِس سے فائدہ اٹھانے بیٹھے اس کے لیے اس کی تفسیر ایک لفظ میں آ جاتی ہے۔ قرآن کی تفسیر یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ انسان کا سچا تعلق ہو جائے۔ پھر انہوں نے کہا کہ قرآن کریم اتنا بڑا نازل ہوا ہے تو درحقیقت ابوجہل کی قسم کے لوگوں کے لیے نازل ہوا ہے۔ ورنہ اگر ابوبکرؓ جیسے لوگ ہی دنیا میں بس رہے ہوتے تو صرف بِسْمِ اللّٰہِ کی ''ب'' کافی تھی۔ ''ب'' کے معنی ساتھ کے ہیں اور مقصد یہ ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کے ساتھ ہو جائے۔ تو سوچنے اور سمجھنے کی اگر عادت ڈال لی جائے تو لوگ کہیں کے کہیں نکل جائیں۔ لیکن اگر ان میں صرف سننے کی عادت ہو، سوچنے اور غور کرنے کا مادہ ان میں نہ پایا جاتا ہو تو آہستہ آہستہ وعظ و نصیحت کی باتوں سے فائدہ اُٹھانے کی بجائے انہیں کان اور زبان کا ایسا چسکا پڑ جاتا ہے کہ اگر کوئی اچھی سے اچھی بات بھی انہیں اپنی ٹوٹی پھوٹی زبان میں سنائے تو وہ فوراً کھڑے ہو جائیں گے اور کہیں گے کہ اس نے ہمارا وقت ضائع کر دیا ہے۔ وہ یہ نہیں دیکھیں گے کہ اس نے بات کیا کی ہے اور وہ قیمتی اور اچھی ہے۔ ایسے لوگوں کی نگاہ ہمیشہ برتن پر ہوتی ہے۔ وہ یہ کبھی نہیں دیکھیں گے کہ اس برتن کے اندر کیا ہے۔ اگر ایک غریب آدمی ہے اور اس کے پاس صرف ایک ٹوٹا پھوٹا آبخورا ہے اور وہ بھینس کا خالص، عمدہ اور گاڑھا دودھ اس میں ڈال کر دوسرے کو دیتا ہے تو گو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ برتن بھی زینت کا موجب ہوتا ہے لیکن کیا محض اس وجہ سے ہم اس دودھ کی قدر نہیں کریں گے کہ اس نے ایک ٹوٹے ہوئے آبخورے میں دودھ دیا ہے۔ کیا ٹوٹے ہوئے آبخورے میں دودھ ڈالنے کی وجہ سے گاڑھا دودھ پتلا ہو جاتا ہے اور تانبے کے کٹورے میں دودھ ڈالا جائے تو پتلا دودھ گاڑھا ہو جاتا ہے یا باسی اور سڑا ہوا دودھ اگر کٹورے میں ڈالا جائے تو اس کی بڑی اچھی حالت ہو جائے گی اور آبخورے میں ڈالا جائے تو اس سے بُو آنے لگے گی۔ یہ محض لغو بات ہے۔ انسان کو اصل حقیقت پر غور کرنا چاہیے اور اسے اپنی زندگی کسی اچھے مصرف میں صَرف کرنی چاہیے۔ آخر ساٹھ، ستّر یا اسّی، سَو سال کی زندگی ہی تو ہے اور یہ کوئی بڑی مدت نہیں۔ اس تھوڑے سے عرصہ کو زیادہ سے زیادہ اچھا اور بہتر بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ بیشک دنیا میں ٹھوکریں بھی ہوتی ہیں لیکن گرنے والے اُٹھتے بھی ہیں،

وہ پہلے قدم بقدم چلتے ہیں اور پھر دوڑنے لگ جاتے ہیں۔ لیکن جو گرتا اور پھر اُٹھنے کی کوشش نہیں کرتا اُس کی ترقی کے لیے کوئی سامان نہیں کیے جا سکتے۔ اور جو آپ گرنا چاہتا ہے خداتعالیٰ کی سنت یہی ہے کہ وہ بھی اسے نہیں اُٹھاتا۔ خداتعالیٰ نے قرآن کریم میں یہی کہا ہے کہ جو ہماری طرف آتے ہیں ہم ان کی مدد کرتے ہیں۔[1] اس نے یہ کہیں نہیں کہا کہ جو ہم سے بھاگتے ہیں ہم ان کو پکڑ کر واپس لاتے ہیں۔ جو ہم سے منہ پھیرتے ہیں ہم ان کو اپنی تائید سے نوازتے ہیں۔ جو بیٹھنا چاہتے ہیں ہم ان کو جبراً کھڑا کرتے ہیں۔ جو گرنا چاہتے ہیں ہم ان کو زبردستی اُٹھاتے ہیں۔ جو بے ایمان ہونا چاہتے ہیں ہم ان کو مجبور کر کے ایماندار بناتے ہیں۔ قرآن یہی کہتا ہے کہ جو بے ایمان ہونا چاہتا ہے ہم اسے بے ایمان بنا دیتے ہیں اور جو ایماندار ہونا چاہتا ہے ہم اسے ایماندار بنا دیتے ہیں۔

بہرحال انسانی زندگی کا خلاصہ صرف اتنا ہے کہ وہ اپنے اندر ایک پختہ عزم پیدا کرے اور اچھی چیز کو پکڑ کر اس طرح بیٹھ جائے جیسے شکاری کُتّا اپنے شکار کو پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے۔ اس کے دانت ٹوٹ جائیں تو ٹوٹ جائیں مگر وہ اپنے شکار کو نہیں چھوڑتا۔ جب انسان اس نیت اور ارادہ کے ساتھ ایک راستہ کو اختیار کر لیتا ہے اور اچھی چیز کو پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے تو پھر نیکیوں کی طرف اس کا قدم اُٹھنا شروع ہو جاتا ہے کیونکہ کوئی نیکی نہیں جو اس سے اگلی نیکی کی توفیق نہیں دیتی۔ اگر کوئی انسان سچے دل سے صدقہ دیتا ہے تو ضرور ہے کہ اسے نماز کی بھی توفیق ملے اور زکوٰۃ کی بھی توفیق ملے اور روزہ کی بھی توفیق ملے۔ اور اگر کوئی اخلاص کے ساتھ روزے رکھتا ہے تو ضرور ہے کہ اس نیکی کے نتیجہ میں اُسے نماز اور زکوٰۃ اور حج کی توفیق ملے کیونکہ ہر نیکی دوسری نیکی کی طرف لے جاتی ہے۔ بھلا یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ ایک شخص جو کسی غریب سے ہمدردی کرتا ہے، اس سے محبت اور پیار کا سلوک کرتا ہے اور دنیاداری کے خیالات کے ماتحت نہیں بلکہ سچے دل سے اسے کھانا کھلاتا ہے ایسے شخص کے پاس اگر امانت رکھی جائے تو وہ کھا جائے گا۔ یہ قطعاً ناممکن بات ہے۔ جس شخص کے دل میں دوسروں کا اتنا درد ہے اور جو اُن کے لیے ہر وقت قربانی کرنے پر تیار رہتا ہے کس طرح ممکن ہے کہ وہ دوسروں کے مال میں خیانت کرے۔ اگر سب لوگ مل کر بھی کہیں گے کہ اس نے دوسروں کا

مال کھایا ہے تو ہم کہیں گے کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں کیونکہ جس کے دل میں اپنا مال قربان کرنے کی خواہش پائی جاتی ہے وہ دوسرے کے مال کو کبھی کھا نہیں سکتا۔ اسی طرح جس شخص کے دل میں یہ خواہش پائی جاتی ہے کہ وہ خدا کے لیے بھوکا رہے کس طرح مانا جا سکتا ہے کہ وہ نماز نہیں پڑھے گا۔ وہ ایک دن نماز نہیں پڑھے گا، دو دن نماز نہیں پڑھے گا، تین دن نماز نہیں پڑھے گا مگر آخر اس کا نفس اسے کہے گا کہ احمق! تُو خدا کے لیے بھوکا رہتا ہے اور پھر اس کا ذکر نہیں کرتا؟ اور وہ مجبور ہو گا کہ نماز پڑھے۔ اور جب وہ نماز پڑھنے لگ گیا تو پھر اسے کوئی ہٹانا بھی چاہے تو وہ نہیں ہٹ سکتا، اسے قید کر دو تو وہ قید میں نماز پڑھنے لگ جائے گا، چارپائی پر باندھ دو تو لیٹے لیٹے نماز پڑھتا رہے گا کیونکہ ایک نیکی دوسری نیکی کی طرف لے جاتی ہے۔ پس اصل گُر انسانی ترقی کا یہی ہے کہ جو چیز اسے اچھی نظر آئے اُسے مضبوطی سے پکڑ لے۔ پہلے وہ اپنے دل میں فیصلہ کر لے کہ میں نے اچھی چیز کو لینا ہے اور پھر اُسے چھوڑنا نہیں۔ اس فیصلہ کے بعد اسے جو چیز بھی اچھی نظر آتی ہے اسے اس نیت کے ساتھ پکڑے کہ اب میں نے اسے چھوڑنا نہیں۔ جب انسان اس مقام پر آ جاتا ہے تو وہ ساری دنیا سے سبق حاصل کرنے کے لیے تیار رہتا ہے،ایک بچے سے بھی سبق لے لیتا ہے، ایک بوڑھے سے بھی سبق لے لیتا ہے، ایک پاگل سے بھی سبق لے لیتا ہے۔ غرض دنیا کی ہر چیز سے وہ فائدہ حاصل کر لیتا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ سے ایک دفعہ کسی نے پوچھا کہ آپ تو بہت بڑے آدمی ہیں اور ساری دنیا آپ سے سبق لیتی ہے۔ کیا آپ نے بھی کسی سے سبق لیا ہے؟ انہوں نے کہا بہت دفعہ لیا ہے اور سب سے بڑا سبق میں نے ایک چھوٹے سے بچے سے لیا ہے۔ اس نے کہا کس طرح؟ انہوں نے کہا وہ اِس طرح کہ میں ایک دفعہ باہر جا رہا تھا۔ بارش ہو رہی تھی کہ میں نے دیکھا ایک سات آٹھ سال کا بچہ گزر رہا ہے اور تیز تیز قدم اُٹھا رہا ہے۔ میں نے اسے تیز قدم اُٹھاتے دیکھ کر کہا میاں بچے! ذرا سنبھل کر چلو کیچڑ ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم پھسل جاؤ۔ اس لڑکے نے میری طرف دیکھا اور کہا امام صاحب! میرے پھسلنے کا فکر نہ کیجیے۔ آپ اپنا فکر کیجیے۔ اگر میں پھسلا تو صرف میں پھسلوں گا لیکن اگر آپ پھسلے تو ساری دنیا پھسل جائے گی۔

کیونکہ جب امام غلطی کرتا ہے تو اُس کے ماننے والے بھی وہی غلطی کرنے لگ جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ لڑکا تو یہ بات کہہ کر چلا گیا مگر میں دیر تک کھڑا اُس کے اس وعظ سے لُطف اُٹھاتا رہا۔ اور حقیقت یہی ہے کہ ساری عمر میں مَیں نے اتنی کارگر اور مؤثر نصیحت کسی سے نہیں سنی۔ تو سیکھنے والا ایک بچے سے بھی سبق سیکھ لیتا ہے بلکہ فضا کی ہر آواز سے اپنا مطلب اخذ کر سکتا ہے۔

لطیفہ مشہور ہے کہ امیر خسرو کے پاس ایک دفعہ ایک مہمان آیا۔ انہوں نے اسے کھانا تو کِھلا دیا مگر وہ کھانا کھا کر وہیں بیٹھ گیا۔ حالانکہ قرآن کا صاف حکم ہے کہ جب تم کھانا کھا لو تو چلے جاؤ۔ وہیں بیٹھ کر باتیں کرنے نہ لگ جاؤ۔2 بہرحال اسے بیٹھے بیٹھے بہت دیر ہوگئی۔ اتنے میں ایک دُھنیا روئی دھنکنے لگ گیا۔ اس کی آواز سن کر وہ مہمان کہنے لگا کہ امیر خسرو! یہ آواز کیا کہہ رہی ہے؟ انہوں نے کہا مجھے تو اس سے یہ آواز آ رہی ہے کہ نان چو خوردی خانہ برو۔ خانہ برو۔ خانہ برو۔ نہ کہ کردم بتو خانہ گرو۔ خانہ گرو۔ خانہ گرو۔ یعنی جب تم روٹی کھا چکے ہو تو اب اپنے گھر جاؤ۔ میں نے اپنا مکان تو تمہارے پاس رہن نہیں رکھ دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ جب تم کوئی آواز سنو تو جو چاہو اس سے بنا لو۔ دل میں نیکی ہو تو انسان اچھی بات بنا لیتا ہے۔ خرابی ہو تو بُری بات بنا لیتا ہے۔ ایک دفعہ ہمارے گھر میں پنکھا چل رہا تھا کہ میں نے کچھ الفاظ بنا کر کہا کہ پنکھا یہ آواز دے رہا ہے۔ میری بیوی کہنے لگیں آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ اس میں سے یہی آواز آ رہی ہے۔ پھر میں نے کچھ اَور الفاظ بنا کر کہا اب اس میں سے یہ آواز آ رہی ہے۔ انہوں نے غور سے سنا تو کہنے لگیں ٹھیک ہے۔ اب یہی آواز آ رہی ہے۔ تو کھٹکے سے جو آواز پیدا ہوتی ہے اُسے جس سُر پر چاہو لے آؤ اور اُس سے ایک نتیجہ اخذ کر لو۔ جس شخص کے دل میں بُرائی ہوتی ہے وہ بُرا اثر لے لیتا ہے اور جس شخص کے دل میں نیکی ہوتی ہے وہ نیک اثر لے لیتا ہے۔ بہرحال اگر انسان سیکھنے کی نیت رکھے اور سوچنے کی عادت ڈالے تو زمین کی اینٹیں اور پہاڑوں کے درخت اور جنگلوں کی جھاڑیاں یہ بھی انسان کے لیے قرآن اور حدیث کی تفسیر بن جاتی ہیں اور اگر وہ سمجھنے کا ارادہ نہ کرے تو ایسے بدبخت انسان کو نہ قرآن فائدہ دیتا ہے، نہ حدیث فائدہ دیتی ہے،

نہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فائدہ دیتے ہیں، نہ ایسے لوگوں کو گزشتہ زمانہ میں موسٰیؑ نے فائدہ دیا اور نہ عیسٰیؑ نے فائدہ دیا"۔ (الفضل 29 ستمبر 1954ء)

1: وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت:70)

2: فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَأْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ (الاحزاب:54)